ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6No.2 2022

سعادت حسن منٹو کے ناول ’’بغیر عنوان کے‘‘ پر تحلیل نفسی کے اثرات

THE EFFECTS OF PSYCHOANALYSIS ON SA’ADAT HASAN MANTO’S NOVEL “BAGHAIR UNWAN KAY”

ڈاکٹر محمد بلال
لیکچرر اُردو، گورنمنٹ ڈگری کالج فار بوائز، چکری، راولپنڈی
ڈاکٹر انیلا سعید
اسسٹنٹ پروفیسر (وزٹنگ فیکلٹی)، شعبہ ٔاردو، یونیورسٹی آف کوٹلی، آزاد جموں اینڈ کشمیر

Abstract
“Baghair Unwan Kay” is Sa’adat Hasan Manto’s only novel written by him. This novel did not get the due appreciation as it should have received in the history and among modern novels. The proof of such claim is that this book is rarely mentioned in all the books written on novel. The researchers who worked on Manto also gave importance to other works of fiction only and ignored “Baghair Unwan Kay”. Manto’s this novel incorporates all the features in itself that are characteristics of any significant, serious and modern novel. In this novel Manto presented human psychology and human unconsciousness in the way that such example is rarely found in Urdu novel. Moreover it also documents and fulfills the principals of Frued’s ideology of “psyche”. In the history of Urdu novel. Among the novels written under the influence of Psyche, this novel is better in many aspects. Manto portrayed the Psychoanalysis of characters in a self-exemplary way.

Key Words: Novel, Sa’adat Hasan Manto, Psychoanalysis, Freud, beghair unwan kay, Baghair Unwan Kay, Muhammad Bilal, Aneela Saeed, Novella, Novellet, Urdu.
کلیدی الفاظ: ناول، سعادت حسن منٹو، تحلیلِ نفسی، فرائیڈ، بغیر عنوان کے، محمد بلال، انیلا سعید، ناولا، ناولٹ، اردو

’’بغیر عنوان کے‘‘ منٹو کا تحریر کردہ واحد ناول ہے۔ اردو ناول کی تاریخ، خاص طور پر جدید ناولوں میں اس ناول کو جو پذیرائی ملنی چاہیے تھی وہ نہیں ملی۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ناول پر لکھی جانے والی کتابوں میں اس کا تذکرہ شاذونادر ہی ملتا ہے۔ منٹو پر کام کرنے والوں نے بھی جو اہمیت اس کی افسانہ نگاری کو دی ہے وہ اس کے ناول ’’بغیر عنوان کے‘‘ کے حصے میں نہیں آئی۔ یہ ناول اپنے اندر وہ تمام ترخوبیاں سموئے ہوئے ہے جو کسی اہم ترین، سنجیدہ اور جدید ناول کا خاصا ہوتی ہیں۔ اس ناول میں منٹو نے جس طرح انسانی نفسیات یا یوں کہیے لاشعوری محرکات کو غیر معمولی انداز میں پیش کیا ہے اس کی مثال اردو ناول میں بہت کم ملتی ہے۔

منٹو نے اس ناول میں مرکزی کردار، ایک بیس سالہ نوجوان سعید، کی ذہنی، جنسی وجذباتی زندگی کے اتار چڑھاؤ اور کشمکش کے نتیجے میں پیش آنے والی نفسیاتی الجھنوں کو پیش کیا ہے۔ اس پیشکش میں نہ صرف فرائیڈ کے نظریات سے استفادہ کیا گیا ہے بلکہ فرائیڈ کے نظریہ ’’تحلیل نفسی‘‘ کے اصولوں کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ اس لیے فرائیڈ کے نظریات کی گہری چھاپ اکثر جگہ نظر آتی ہے۔ اس ناول کا ’’تحلیل نفسی‘‘ کی روشنی میں تجزیہ کرنے سے قبل ضروری ہے کہ ’’تحلیل نفسی‘‘ پر مختصر نظر ڈال لی جائے۔

تلازم افکار کو ایسے طریقے سے بروئے کار لانے کو تحلیل نفسی ((Psycho-analysis کہا جاتا ہے جس میں دبے ہوئے خیالات وجذبات اور ان کا اقرار فرد کے ذہن میں موجود کشمکش کو رفع کر دیتا ہے۔ قومی انگریزی اردو لغت میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> Psychoanalysis تحلیل نفسی، نفسی تجزیہ، کسی فرد کے تحت الشعوری خیالات کا مطالعہ یا تجزیہ کرنے کا طریقہ ہے، جیسے آزادانہ ربط وضبط اور خوابوں سے ظاہر شدہ۔ ان خفیہ ذہنی تناقضات کا پتہ چلانے کے لیے جو جسم اور ذہن میں انتشار پیدا کرسکتے ہیں۔[۱]

فرائیڈ خود تحلیل نفسی کے متعلق لکھتا ہے:

> Psychoanalysis speculation starts from the impression gained on investigation unconscious processes that function [۲] consciousness cannot be the most general characteristic of psychic processes but merely a special of them

تحلیل نفسی کا پہلا اور بنیادی کام یہ ہے کہ وہ دبائے ہوئے تصورات، جذبات اور احساسات جو کسی فرد کی ذہنی اور جذباتی زندگی میں طلاطم، کشمکش اور الجھنیں پیدا کرتے ہیں، کو لاشعور کی بند کوٹھری سے نکال کر سطحِ شعور پر لے آئے۔ تاکہ مذکورہ فرد ان کو عقلی طور پر سمجھ کر حقیقی دنیا میں اپنے دستیاب وسائل اور اخلاقی ومعاشرتی حدود میں رہ کر ان کا مناسب حل تلاش کر سکے۔ ’’تحلیل نفسی‘‘ بنیادی طور پر ’’لاشعور‘‘ تک رسائی کا ایک ذریعہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لاشعور کیا ہے؟۔ لاشعور آماجگاہ ہے ان کچلی ہوئی ناآسودہ خواہشات وجذبات کی جو بچپن میں کسی نہ کسی طرح ادھوری رہ جاتی ہیں یا پھر سپر ایگو کے زیرِ اثر دبا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6No.2 2022

دی جاتی ہیں۔ان خواہشات و جذبات کے تشنہ رہنے یا پھر دبا دینے کی دو بڑی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ ان خواہشات کا جنسی جبکہ دوسری وجہ ان خواہشات کی تسکین کا ہدف ،رخ یا پھر مرکز و معروض کا محرمات (والدین)تک ہی محدود رہنا ہے۔

"تحلیل نفسی" کے وظائف میں یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ خیالات و تصورات کی زنجیر شعور سے لاشعور تک کچھ اس طرح جوڑی جائے کہ لاشعور میں دبے ہوئے پراگندہ اورالجھے ہوئے خیالات شعور میں کھچے چلے آئیں۔اس عمل سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ فرد جن ذہنی تناؤ کا شکار ہوتا ہے، تناؤ کی وہ رسی ڈھیلی اور کمزور پڑ جاتی ہے۔

اگر "تحلیل نفسی" کے طریقہ کار کا ذکر کریں تو ماہرینِ" تحلیل نفسی" نے اس طریقِ علاج کو بروئے کار لانے کے لیے متعدد طریقہ کار سے اس کی آزمائش کی ہے۔ابتداء میں گویائی (Talking Cure)طریقہ علاج کے ذریعے مریضوں کا علاج کیا جاتا تھا۔ اس اصطلاح کا نام فرائیڈ کی ایک مریضہ نے، جس کو اسی طریقہ علاج کے ذریعے آرام آیا تھا، وضع کی۔اس نے اپنی بیماری کے بارے میں کھل کر گفتگو کی۔اسے اس صدمے سے نجات ملی جس کی وجہ سے وہ ہیجانی کیفیت میں رہتی تھی۔دیکھا جائے تو تحلیل نفسی کی عمارت اسی طریقہ علاج پر استوار ہے۔فرائیڈ نے بھی ابتدا میں اسی پر انحصار کیا مگر وقت کے ساتھ ساتھ اسے اس طریقہ علاج میں کئی ایک رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔ان خامیوں کو دور کرنے کے لیے فرائیڈ نےJean-Martin Charcotکے طریقہ علاج"ہپناٹزم" کو"گویائی" طریقے کے ساتھ شامل کر کے مزید نتائج حاصل کرنے کی کوشش کی جس میں وہ کامیاب بھی رہا۔اس نے اس طریقہ علاج کو تحلیل نفسی کے باب میں مستقل جگہ دی اور اسے تزکیائی طریقہ کار کا نام دیا۔لیکن یہ سفر ختم نہ ہوا بلکہ خوب سے خوب تر، کی جستجو جاری رہی۔

ابتدا میں ہپناٹزم اور بعد میں تنویمی کیفیات کے ذریعے یاداشت اور احاطے کو وسیع کیا جانے لگا۔ یہ طریقہ' کار اس وجہ سے اختیار کیا گیا تا کہ فراموش شدہ واقعات جلد یاد آجائیں لیکن جلد ہی اس بات کا ادراک ہو گیا کہ اس کی ضرورت نہیں بلکہ مکمل سکون اور خاموشی کی حالت میں اگر مریض بھولی بسری یادوں کو یاد کرے اور مناسب اوقات پر ان کے متعلق گفتگو کرے تو اس سے بھی وہی نتائج حاصل ہوتے ہیں جو تنویمی کیفیات کے زیر اثر گفتگو کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔اس میں یہ فائدہ تھا کہ مریض ان واقعات کو یاد کرنے کے دوران مکمل ہوش و حواس میں ہوتا۔اس صورت میں وہ ان جذبات کو صحیح طور پر محسوس کر سکتا جن کو دبایا گیا تھا۔۔تزکیے کے اس عمل سے گزرنے کے بعد مریض کے مرض میں افاقہ ہو جاتا، لیکن اس کا تمام دارومدار معالج اور مریض کے درمیان تعلق پر تھا۔۔اس طرح یہ طریقہ کسی حد تک ترغیبی طریقہ کار بن گیا تھا۔۔معالج اور مریض کے درمیان تعلقات کشیدہ ہونے کی صورت میں یہ طریقہ بے سود ثابت ہوتا اور مریض کی تمام علامات دوبارہ ظاہر ہو جاتی تھیں۔بالکل ایسے ہی جیسے وہ کبھی ختم ہی نہیں ہوئی تھیں۔اس کی سب سے بڑی وجہ شاید یہ تھی کہ ہپناٹزم میں فرد کی ذہنی ساخت کو ایک طرف رکھ کر اسے تنویمی کیفیات میں مبتلا کیا جاتا تا کہ لاشعوری راز معلوم کیے جا سکیں اور تحکمانہ انداز میں ترغیب دی جاتی کہ مریض کوئی کام کرے یا اپنی کسی کیفیت کو ختم کرے۔اس میں ایک خرابی یہ تھی کہ مریض بے اعتمادی کا شکار ہو کر معالج سے بددل ہو جاتا کیونکہ مریض کو یہ گمان ہوتا کہ معالج نے اسے دھوکہ دے کر بے ہوشی کے عالم میں اس کے راز معلوم کر لیے ہیں۔مندرجہ بالا طریقہ علاج جو جزوی طور پر کسی نہ کسی طرح "تحلیلِ نفسی" کے ساتھ جڑے تو رہے لیکن فرائیڈ ان سے کبھی بھی مطمئن نہ ہوا۔

"تحلیل نفسی" کے دوران حاصل ہونے والے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ مریض کو ہپنوٹائز کرنے کے بعد تنویمی کیفیت طاری کرنے کی بجائے حالتِ سکون میں بٹھا کر اس سے گفتگو کروائی جائے۔اس طریقہ کار کے دوران مریض مکمل ہوش و حواس میں رہتا، معالج اس کا اعتماد حاصل کرتے ہوئے نہ صرف مریض کے کردار اور شخصیت کے اصل سرچشمے سے واقفیت حاصل کرتا بلکہ مریض کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو مریض کے سامنے لا کر رکھ دیتا۔اس سلسلے میں نہایت احتیاط سے کام لیا جاتا کہ مریض پر کسی قسم کے خیالات و تصورات کو جبراً نہ ٹھونسا جائے۔ تحلیل نفسی کے دوران ہمیشہ یہ کوشش کی جاتی کہ مریض کی انا کو ٹھیس پہنچائے بغیر اس کے اندر اتنی طاقت پیدا کی جائے کہ وہ اپنی جبلی خواہشات کو برا سمجھنے ،ان سے ڈرنے ،خوف کھانے اوران کو دبانے کے بجائے ان کو درست اور فطری سمجھے اور ان خواہشات کی تسکین کے لیے وہ حقیقت میں ایسے ذرائع تلاش کرے جو اخلاقی اور معاشرتی نقطہ نظر سے قابل قبول ہوں۔

طویل تحقیق اور تجربات کے ساتھ ساتھ فرائیڈ نے مختلف طریقہ علاج اپنانے کے بعد بالآخر ایسے لائحہ عمل کو اپنے طریقہ علاج میں جگہ دی جسے ابتدا میں اس نے غیر منقطع تلازمی طریقہ ((Continuous Association Method کہا اور بعد میں اسے آزاد تلازمی طریقہ (Free Association Method)کا نام دیا

تحلیل نفسی کے لیے دو قسم کے طریقہ کار استعمال کیے جاتے ہیں۔جو کہ درج ذیل ہیں:

الف۔ تلازمی طریقہ ((Association Method

اس طریقہ کار میں مریض کو آرام دہ بستر پر لٹا دیا جاتا ہے۔معالج اس کے قریب بیٹھ جاتا ہے اور مریض کو کوئی خیال یا کوئی لفظ گفتگو کے آغاز میں دے دیتا ہے اور اس سے وابستہ اس کے خیالات کو سنتا اور مشاہدہ کرتا ہے۔مریض کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ اس خیال یا لفظ سے وابست جو کچھ اس کے ذہن میں ہے بلا کم و کاست بیان کر ڈالے اور اس میں اگر کوئی غیر اخلاقی بات بھی ہو تو اس کو بھی پوری ایمان داری کے ساتھ بیان کر دے۔تاکید یہ کہ معالج جو لفظ مریض کو گفتگو کے لیے دیتا ہے مریض اس سے وابستہ تصورات کو فوراً بیان کرے تا کہ لاشعوری خیالات کو جلد از جلد باہر نکلنے کا موقع ملے۔پھر ان تصورات سے وابستہ تصورات تک رسائی حاصل کی جاتی ہے اور پھر ان تصورات سے مزید تصورات کی طرف۔ آخر کار یہ سلسلہ لاشعور تک پہنچ جاتا ہے۔ابتدائی رد عمل میں مریض بظاہر سطح پر موجود خیالات کا اظہار کرتا ہے اور آہستہ آہستہ وہ گہرائی میں غوطہ زن ہوتا جاتا ہے۔اس سلسلے میں جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ کہ مریض باآسانی ان تصورات ورجحانات سے آزادی حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان خیالات کو چھپائے رکھے۔اس کی کئی وجوہات ہیں مثلاً وہ ایک معاشرے کا فرد ہے جس کی کچھ روایات اور قوانین ہیں، کچھ اخلاقی اصول ہیں جنہیں وہ تسلیم کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اندرونی طور پر اپنے خیالات کو معالج کے سامنے جوں کے توں بیان نہیں کر پاتا ہے۔اس دوران وہ یہ بات کہ کر معالج کو ٹال دیتا ہے کہ اس لفظ یا خیال سے وابستہ کوئی تصور یاد نہیں آرہا۔اس طرح وہ اپنے خفیہ رازوں سے پردہ نہیں اٹھنے دیتا۔اس طریقے کی بنیاد شعور اور لاشعور کی کش مکش پر استوار ہے۔ظاہر ہے کہ شعور ،لاشعور سے ان تصورات کے اخراج کو پسند نہیں کرتا جن کو وہ پہلے ہی ناپسندیدہ قرار دے کر نکال چکا ہے ۔اندرونی کش مکش کی بنا پر خیالات میں رکاوٹ کے عمل کو مزاحمت کا نام دیا گیا ہے۔مزاحمت کی صورت میں معالج مریض کے حوصلہ افزائی اور اس میں اعتماد پیدا کرتا ہے۔جس سے مریض مزاحمت پر قابو پالیتا

ہے اور یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام لاشعوری مواد شعور میں آجاتا ہے اور جب مریض کو بیماری کا علم ہو جاتا ہے تو مرض کی تمام علامات ختم ہو جاتی ہیں۔ اس تلازمی طریقہ علاج کے ذریعے فرد کی تشویش، الجھن اور ذہنی بیماری کو سمجھا جا سکتا ہے۔

ب۔ خوابی طریقہ (Dream Interpretation)

دوسرا خوابی (Dream Interpretation) طریقہ علاج ہے۔ خوابوں کی تشریح و تحلیل اور تعبیر "تحلیل تفسی" میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس متعلق خود فرائیڈ لکھتا ہے:

> خوابوں کی تشریح و تحلیل نفسی دراصل لاشعور کی تشریح کے مترادف ہے۔ یہ تحلیل نفسی کا سب سے کار آمد ذریعہ ہے اور یہ ایک ایسی شے ہے جس کے بارے میں ہر کارکن کو تعلیم و تربیت حاصل کرنی چاہیے۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تحلیل نفسی کیسے کی جا سکتی ہے تو میں اسے خوابوں کے مطالعے کا مشورہ دوں گا۔[۳]

فرائیڈ کے نزدیک خواب فرد کے دبے ہوئے طفلانہ جذبات، رجحانات اور خواہشات کی تکمیل کا بہترین اور باپردہ ذریعہ ہیں۔ مریض کے لاشعور میں چند ایسی خواہشات ہوتی ہیں جن کی آسودگی کی راہ میں سماجی و اخلاقی اور جنسی اقدار بہت بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں۔ اس لیے نیند کے دوران جب محتسب کی گرفت ڈھیلی پڑتی ہے تو لاشعور میں موجود طفلی، جبلی خواہشات مختلف صورتوں میں خواب بن کر مختلف روپ دھار کر چوری چھپے اپنے مقصد کی کامیابی میں جٹ جاتے ہیں۔ تحلیل نفسی میں لازمی ہو جاتا ہے کہ مریض کے ہر خواب کی تحلیل و تشریح کی جائے تاکہ ان نادیدہ قوتوں کا سراغ لگایا جا سکے جو فرد کی ذہنی زندگی میں تلاطم، کشمکش اور الجھنیں پیدا کر کے اسے تلخ کر دیتی ہیں۔

تحلیل نفسی کے کئی ایک اور بھی طریقہ کار ہیں تاہم مندرجہ بالا دونوں طریقہ کار مشہور اور کار آمد ہیں جن کے ذریعے خود فرائیڈ بھی علاج کرتا رہا ہے جن سے اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

آپ بیتی کے انداز میں لکھا جانے والا منٹو کا یہ ناول "بغیر عنوان کے "اہم، سنجیدہ اور غیر معمولی انفرادیت کا حامل ہے۔ اس ناول میں سعید نامی نوجوان کی شخصیت کو اڈ(Id) کی جنسی جبلی خواہشات کے زیر اثر، سپر ایگو (Super Ego) سے کشمکش میں مبتلا دکھایا گیا ہے۔ یہ کشمکش اس کے ذہن میں کئی ایک الجھنیں پیدا کر دیتی ہے، ان میں سے ایک یہ کہ وہ عورت سے قربت کی خواہش کے باوجود اس کے قریب جانے سے گھبراتا ہے۔ سعید اپنی بیس سالہ زندگی میں ابھی تک محبت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ وہ اپنے دوستوں سے محبت کے قصے سنتا تو اس کے دل میں محبت کرنے کی امنگ جاگ اٹھتی۔ وہ اکثر یہ سوچتا کہ اس کا وجود محبت کے بغیر بیکار اور ادھورا ہے، یہ بات اسے بے چین کیے رکھتی۔ وہ جب بھی عشق کے متعلق سوچتا تو محلے کی کئی لڑکیاں اس کے ذہن میں آتیں مگر وہ ساختہ سوالوں کے بھنور پھنس کر رہ جاتا۔ ان کی خود تحلیل نفسی کرتا۔ ان کے متعلق اچھائی اور برائی کا معیار قائم کرنے کے بعد کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر اپنی خامیوں اور الجھنوں پر فروعی عذر کا پردہ ڈال لیتا۔ انہی فروعی تحفظات کے نتیجے میں وہ ان سے محبت کرنے سے کتراتا۔ ایک مرتبہ اس نے محلے کی چند لڑکیوں کے متعلق سوچنا شروع کیا کہ آیا کوئی ایسی ہے جو اس کی محبت کے قابل ہو۔ سب سے پہلے اسے حمیدہ کا خیال آیا۔ حمیدہ شادی کے قابل تو تھی مگر محبت کے نہیں۔ وہ نہایت گھریلو لڑکیوں جیسی تھی۔ جو بچے پیدا کرتی ہیں اور چند برسوں میں اپنا سارا رنگ و روپ کھو دیتی ہیں۔ صغراں اور نجمہ کٹر مولوی کی بیٹیاں ہیں۔ سعید کو ان خوبصورت چہروں میں مسجد کا محراب نظر آتا ہے۔ ان دونوں کی تربیت اس طرح سے کی گئی تھی کہ اس جہاں تو دور دوسرے جہاں میں بھی نیکوکار مردوں کے لیے بنی تھیں۔ پشپا، بملا اور راج کماری کو وہ ہندو دھرم کی وجہ سے موزوں نہیں سمجھتا۔ فاطمہ عرف پھاتو کے دو عشق پہلے سے چل رہے تھے اور تیسرا متوقع تھا۔ سعید اس میں دخل انداز نہیں ہونا چاہتا تھا۔ سعید کی یہ پس و پیش کی عادت اس کی کم ہمتی کی طرف اشارہ ہے۔ سعید کے اس رویے کے متعلق جگدیش چندر ودھاون لکھتے ہے:

> سعید کی ذہنی ساخت اور افتادِ طبع ہی ایسی تھی کہ وہ ضرورت سے زیادہ ''ایں و آں'' کا عادی تھا۔ عورت کے معاملے میں وہ کم ہمت اور بزدل واقع ہوا تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ اسے عورت کی قربت نصیب ہوتی ہے اور نہ قلبی سکون ملتا ہے اور وہ ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتتا چلا جاتا ہے۔[۴]

فرائیڈ کے نزدیک ''شعور'' اور ''لاشعور'' کی کشمکش کسی بھی فرد کی ذہنی صحت کے لیے بالکل اچھی نہیں ہوتی۔ ''شعور'' اور ''لاشعور'' کی کشمکش فرد کی شخصیت میں دورخی پیدا کر دیتی ہے جس کا نقصان اسے ذہنی عارضے، جذباتی تلخی اور کئی الجھنوں کی صورتوں میں بھگتنا پڑتا ہے۔ یہی حال اس ناول کے اہم کردار سعید کا بھی ہے۔ سعید جن لڑکیوں سے محبت کرنے کے متعلق سوچتا ہے ان میں راجو نامی لڑکی کا کردار بہت اہم ہے۔ راجو کا کردار اس لیے اہم ہے کہ اسے دیکھنے کے بعد سعید کی شخصیت دورخ اختیار کر لیتی ہے۔ ایک طرف وہ اس کے لیے ہمدردی اور محبت کے جذبات رکھتا ہے تو دوسری طرف اس کے مشکوک کردار کی وجہ سے اس سے نفرت کرتا ہے۔ راجو سعید کے مکان سے ملحق ایک سوداگر کے گھر میں نوکرانی ہے۔ اس گھر میں سوداگر کے چار جوان بیٹے بھی موجود ہیں۔ سعید اس راز سے بخوبی واقف ہے کہ راجو کے ان چاروں کے ساتھ بیک وقت ناجائز تعلقات ہیں۔ اس وجہ سے وہ راجو میں ایک نہیں تین چار عورتوں کو یکجا دیکھتا ہے۔ سعید کی راجو سے نفرت کی وجہ بظاہر اس کے ناجائز تعلقات ہیں جو سوداگر کے بیٹوں سے تھے۔ جہاں تک ہمدردی کی بات ہے، اس میں نفسیاتی طور پر راجو تک رسائی اور جسمانی قربت کی خواہش ہے۔ راجو ہمیشہ خوش رہا کرتی ہے جو سعید کو پسند نہیں۔ سعید کے اندر ایک نامعلوم خواہش جنم لیتی کہ وہ ناخوش رہے۔ فرائیڈ کے نقطہ نظر سے اسے ''سادیت پسندی'' کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ سادیت پسندی یا ایذا پسندی فریقِ ثانی کو جسمانی یا ذہنی اذیت دے کر یا اس میں مبتلا دیکھ کر جنسی مسرت حاصل کرنے اور اس کی مظلومیت سے لطف اندوز ہونے کا نام ہے۔

> اس کو دکھی دیکھ کر سعید کے ایک نامعلوم جذبے کو تسکین ضرور پہنچی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے دل میں رحم بھی پیدا ہوا تھا۔ کسی عورت سے اس نے آج تک ہمدردی نہیں کی تھی۔ وہ اس کو دکھی دیکھنا چاہتا تھا تاکہ وہ اس سے ہمدردی کا اظہار کر سکے۔ وہ اس سے ہمدردی کا اظہار کر سکتا تھا اس لیے کہ وہ اسے سہہ لیتی۔ اگر وہ گلی کی کسی اور لڑکی سے ہمدردی کا اظہار کرتا تو ظاہر ہے بہت بڑی آفت بپا ہو جاتی۔ کیونکہ اس ہمدردی کا مطلب کچھ اور لیا جاتا۔[۵]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6No.2 2022

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ راجو کو ناخوش دیکھنے کے پیچھے سعید کی لاشعوری طور پر راجو کے متعلق جنسی خواہش کار فرما ہے۔ دراصل سعید راجو کو ناخوش پا کر اس سے ہمدردی جتانے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا جو اسے راجو کے قریب کر دیتی۔ راجو سے ہمدردی ایک طرف سعید کے جذبہ ترحم کی تسکین تھی تو دوسری طرف جسمانی قربت کی خواہش۔ سعید کا اس سے پہلے کسی عورت سے ہمدردی نہ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ابھی تک کسی عورت سے جسمانی تعلق قائم نہ کر سکا تھا۔ راجو کا سعید کی ہمدردی سہہ لینے کی دو وجوہات تھیں۔ پہلی وجہ وہ غریب تھی اور اکیلی رہتی تھی۔ دوسری وجہ سوداگر کے بیٹوں سے اس کے ناجائز تعلقات تھے۔ یہ دونوں وجوہات سعید میں کسی حد تک ہمت پیدا کرتیں کہ اگر راجو سے ملاقات ہو جائے تو اس کے جذبے کی تسکین ہو سکتی ہے۔ گلی کی دوسری لڑکیوں سے اس طرح کی ہمدردی جس میں جنسی خواہش موجود ہو۔ ناممکن ہے۔ کیونکہ معاشرہ اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ شریف گھروں کی بیٹیوں سے متعلق کوئی اس طرح کے غیر پاکیزہ جذبات رکھے۔ بنیادی طور پر راجو کے لیے اس کا ہمدردی سہہ لینا اور گلی کی دوسری لڑکی کا نہ سہنا کوئی خاص معنی نہیں رکھتا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ راجو کے مقابلے میں کسی دوسری لڑکی سے تعلق میں سماجی دباؤ بہت زیادہ ہے جسے سعید نہیں جھیل سکتا۔ یہاں فرائیڈ کا وہ قول صادر آتا ہے کہ کس طرح فرد کو تہذیب کے زیر اثر اپنی فطری جبلتوں کو دبانا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر یوسف سرمست لکھتے ہیں:

> سعید کا ذہن راجو کی ہمدردی کے سلسلے میں سماج اور فرد کی اس کشمکش کی طرف جاتا ہے جس کے بارے میں فرائیڈ نے کہا تھا کہ جبلتیں اپنی تشفی چاہتی ہیں۔ لیکن سماج انہیں ایسا کرنے سے روکتا ہے اس طرح انسانی شخصیت دو حصوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ انسان کی شخصیت کا ایک حصہ جس میں انسان کی جبلتیں اور بنیادی خواہشیں رہتی ہیں۔ سماج ان کے مطالبات اور احکامات کو نہیں مانتا اس لیے ان دونوں حصوں میں کشمکش ہوتی رہتی ہے۔[٦]

سعید جبلی جذبے کی تسکین کی راہ میں رکاوٹ معاشرے کی غلط رسوم و رواج اور مصنوعی زندگی کو سمجھتا ہے۔ اسے اس بات کا ادراک ہے کہ اس کے فطری جذبے کی تسکین اس لیے بھی ناممکن ہے کہ وہ معاشی و معاشرتی طور پر مضبوط نہیں ہے۔ سعید کی اس سوچ سے فرائیڈ کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ دولت، حکومت اور اس طرح کی دوسری طاقتوں کے حصول کا مقصد دراصل انسان کا جنسی جبلتوں کی تسکین کرنا ہے۔ آگے چل کر سعید، فرائیڈ کے قول کی مزید تصدیق کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہمیں تہذیب کے دباؤ کے پیشِ نظر اپنی لغزشوں کو چھپانا پڑتا ہے چونکہ اس کا رواج ہے۔ ایک زندگی اپنے لیے اور ایک دوسروں کے لیے گزارنی پڑتی ہے یعنی تہذیب کی گھٹیا ترین صورت جبلت کے بے دریغ اظہار سے بہتر ہے۔ سعید پر معاشرتی دباؤ اس میں کئی الجھنیں پیدا کر دیتا ہے اور وہ ان میں مسلسل گھرا رہتا ہے۔

راجو سوداگروں کے ہاں سے نکل کر سعید کی ماں کے ہاں ملازم ہو جاتی ہے جہاں خود سعید بھی رہتا ہے۔ سعید، راجو کی موجودگی میں عجیب مخمصے اور الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس دوران راجو کے متعلق اس کا جذبہ دورخا نظر آتا ہے۔ اس جذبے میں محبت کے ساتھ ساتھ نفرت بھی موجود ہے۔ فرائیڈ خالص محبت کا قائل نہیں وہ محبت کے لیے نفرت کو بھی لازم سمجھتا ہے۔ اس کے خیال میں جس سے محبت ہوتی ہے اس سے نفرت بھی ہوتی ہے یہی ہمیں سعید کے رویے میں بھی نظر آتا ہے۔ راجو کی دن رات کی موجودگی سعید کی ذہنی کشمکش کو تشویش میں بدل دیتی ہے۔ ایک طرف سعید راجو کے خیال کو ذہن سے جھٹک دینا چاہتا ہے تو دوسری طرف اس کے ردعمل میں وہ اسے مسلسل سوچتا رہتا ہے۔ آخر کار بخار کی وجہ سے سعید بیمار ہو جاتا ہے اور اس موقع پر جیسے ایک ماہر "تحلیل نفسی" مریض کے لاشعوری خیالات کو سطح شعور پر لانے کے لیے مریض پر پرسکون نیند طاری (ہپنوٹائز) کرتا ہے اور اس سے اس کی بیماری کے متعلق تمام راز اگلواتا ہے، ٹھیک اسی طرح سعید، راجو کے متعلق جس طرح کے خیالات رکھتا ہے، ہذیانی کیفیت میں بلاکم و کاست بیان کر دیتا ہے۔

> جانتی ہو میں تمہاری محبت میں گرفتار ہوں۔ اس طرح میں تمہاری محبت میں پھنس گیا ہوں جس طرح کوئی دلدل میں ہو۔ میں مانتا ہوں تم محبت کے قابل نہیں مگر میں یہ جانتے بوجھتے تم سے محبت کرتا ہوں لعنت ہو مجھ پر۔۔۔ ہاں مجھے تم سے محبت ہے اس لیے نہیں کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ پھر کس لیے؟ کاش کہ میں اس کا جواب دے سکتا۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں اس لیے کہ تم نفرت کے قابل ہو۔ تم عورت نہیں بلکہ ایک سالم مکان ہو۔ ایک بہت بڑی بلڈنگ ہو مگر مجھے تمہارے سب کمروں سے محبت ہے اس لیے کہ وہ غلیظ ہیں، ٹوٹے ہوئے ہیں۔ مجھے تم سے محبت ہے کیا یہ عجیب بات نہیں۔[٧]

اس طویل اقتباس میں سعید کے رویے میں موجود دورخ اور نفسیاتی الجھنوں کا جواب موجود ہیں۔ سعید کو راجو سے محبت کی بجائے اس سے جنسی جذبے کی تسکین کی خواہش ہے جسے وہ محبت کا نام دیتا ہے۔ جہاں تک نفرت کی بات ہے، اس کی کئی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ، راجو نوکرانی ہے اسے معاشرتی طور پر اپنانا ناممکن ہے۔ یہاں سپر ایگو (Super Ego) کی مخالفت کا خطرہ ہے۔ سپر ایگو ایک ایسا وسیلہ ہے جس کے توسط سے ہم خود اپنی ذات اور دوسرے لوگوں کے اعمال پر نکتہ چینی، احتساب یا اخلاقی حکم لگاتے ہیں۔ اسے ہم شخصیت کا اخلاقی نظام یا عدالتی شعبہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے اسے شخصیت کے لیے ایک اخلاقی ضابطے کا نام بھی دیا جا سکتا ہے، بچہ اپنے والدین کے طرز عمل کا مشاہدہ کرنے کے بعد یہ طے کرتا ہے کہ وہ کن باتوں کو اچھا اور کن کو برا سمجھے، کیا خیر اور کیا شر ہے، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کیا ہوتا ہے۔

دوسری وجہ وہ علامتی اظہار ہے جو اس اقتباس میں سعید کی زبانی سامنے آتا ہے کہ وہ عورت نہیں مکان ہے۔ اس کے پیچھے راجو کا وہ ماضی ہے جو دراصل گناہ کی دلدل میں لتھڑا ہوا ہے۔ سوداگر کے چار بیٹے ایک عالی شان گھر میں الگ الگ کمروں میں راجو کے ساتھ اس خوش فہمی میں ناجائز تعلقات استوار کیے ہوئے تھے کہ ایک کو دوسرے کے گناہ کی خبر نہیں۔ سعید کا کمروں کی طرف اشارہ دراصل راجو کے سوداگر کے بیٹوں سے تعلقات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ سعید اپنے مکان کی کھڑکی سے سب کچھ دیکھا کرتا تھا۔ ان کمروں کے غلیظ اور ٹوٹے ہوئے ہونے کا مطلب راجو کے سوداگر کے ان چار بیٹوں کی طرف اشارہ ہے جن سے اس کے ناجائز تعلقات تھے۔ راجو ان کے ہاتھوں اپنی دوشیزگی اور معصومیت کھو چکی تھی۔

محلے کی عورتیں جہاں راجو سے اپنی خدمت کرواتی وہاں اس کی پیٹھ پیچھے اس کے کردار پر انگلیاں بھی اٹھاتیں۔ جس کی خبر سعید اور اس ماں کو بھی تھی۔ سعید کے گھر کا ماحول انتہائی دین دارانہ تھا۔ اس کی ماں ہر وقت مصلے پر بیٹھی اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے گڑگڑا کر دعائیں مانگتی رہتی اور کسی کی بدخوئی نہ کرتی۔ حتیٰ کہ وہ راجو کے متعلق لوگوں سے شکوہ کرتی اور اس پر رحم کرتی نظر آتی ہے۔ یہی وہ وجوہات ہیں جنہوں نے سعید کی شخصیت میں کرب اور تشویش پیدا کر دی تھی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ایک طرف سعید کے لاشعور میں اڈ (Id) کی سرکش جنسی خواہشیں ناآسودہ ہیں اور راجو کی صورت میں ایک معروض یا ہدف بھی موجود ہے لیکن دوسری طرف سماج (سپر ایگو) کا وہ مقرر کردہ معیار محبت ہے جس پر راجو پوری نہیں اترتی۔ دراصل جنسی ہیجان ہی سعید کی ذہنی تشویش اور روحانی کرب کی وجہ ہے۔ بقول ڈاکٹر یوسف سرمست:

> سعید بھی اس کشمکش میں شدید طور پر مبتلا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایک طرف اس کی جبلی خواہشیں تھی جس کی وجہ سے وہ راجو سے شدید محبت کرتا تھا، دوسری طرف سماج کا دیا ہوا وہ محبت کا معیار تھا جس پر راجو قطعی پوری نہیں اترتی تھی اور جس کی وجہ سے وہ اس سے نفرت بھی کرتا تھا۔[۸]

محبت کی غیر یقینی صورت حال اور تذبذب کا رویہ بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ انسان فطری جبلی تقاضوں کے زیر اثر ایک طرف مطلوبہ شخص کی قربت کا خواہاں ہوتا ہے تو دوسری طرف اسی لمحے فرار کا تمنائی بھی ہوتا ہے۔ متضاد اور متصادم خیالات کی کشمکش انسان کی شخصیت کو کچل کر رکھ دیتی ہے۔ بعض اوقات لاشعوری خواہشات اتنی شدید ہوتی ہیں کہ عقلمند آدمی بھی ان کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔ ایسی صورتِ حال سے نہ صرف دماغی توازن متزلزل ہوتا ہے بلکہ انسان ذہنی وروحانی کرب اور تشویش کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس ذہنی وروحانی کرب، ذہنی کشمکش اور ہیجانی تشویش میں وہ شدید بیمار پڑ جاتا ہے۔ اصرار کر کے وہ ہسپتال میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کا ہسپتال داخل ہونا دراصل راجو کی موجودگی سے فرار کی شعوری کوشش نظر آتی ہے۔ کیونکہ گھر میں رہ کر وہ جتنا راجو سے دور رہنے کا سوچتا، اتنا قریب ہو جاتا۔ کئی بار اس نے ماں سے کہہ کر اسے گھر سے نکلوانے کے منصوبے بنائے مگر لاشعوری محرکات کے سبب وہ مجبوراًرک جاتا۔ اب یہی ایک راستہ رہ گیا تھا کہ وہ گھر سے کہیں دور چلا جائے۔ بقول جگدیش چندر ودھاون:

> راجو کی موجودگی اس کے لیے اعصابی تناؤ کا باعث ہو جاتی ہے اور وہ اس سے فرار چاہتا ہے یا یوں کہنا بہتر ہو گا کہ وہ اس سے قربت چاہتا ہے لیکن اس کی کم حوصلگی کے پیش نظر فرار کی خواہش اس پر حاوی ہو جاتی ہے۔[۹]

سعید بیمار ہو کر ہسپتال میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں اس کی ملاقات فاریا نامی ایک نرس سے ہوتی ہے۔ فاریا جوان اور خوبصورت ہے۔ وہ سعید کی طرف مثبت پیش قدمی کرتی ہے، سعید کا دوست عباس عورت پر فلسفیانہ انداز میں بحث کرتے ہوئے سعید کو اس سے تعلقات استوار کرنے کی ترغیب دیتا ہے لیکن سعید اس کے متعلق بھی گریز اور فرار کا رویہ اختیار کرتا ہے جو اس کی شخصیت کا خاصا بن چکا ہے۔

سعید جسمانی طور پر صحت مند ہو کر ہسپتال سے گھر واپس آ جاتا ہے۔ لیکن ذہنی حالت اس کی وہی رہتی ہے جو ہسپتال جانے سے پہلے تھی اور راجو کے متعلق بھی اس کا رویہ پہلے جیسا ہی رہتا ہے۔

سعید کا دوست عباس اس کی تیمارداری کے دوران جب اس کی توجہ فاریا کی طرف دلاتا ہے، ٹھیک اسی وقت سعید مسلسل راجو کے متعلق سوچ رہا ہوتا ہے۔ وہ راجو پر ایک نظر ڈالنا چاہتا ہے۔ یہ نظر التفات بھری نہ سہی، نفرت بھری ہی سہی لیکن وہ اسے دیکھنا چاہتا ہے۔ آخر کار وہ راجو کی موجودگی سے ایک بار پھر تنگ آ جاتا ہے۔ اس دفعہ وہ گھر چھوڑ کر لاہور چلا جاتا ہے جہاں اس کی ملاقات دوبارہ فاریا سے ہو جاتی ہے۔ فاریا اپنے عاشق کے پیچھے لاہور آئی تھی۔ اس کا عاشق اس کے ساتھ چند دن گزار کر، اسے دھوکا دے کر فرار ہو جاتا ہے۔ فاریا کے لیے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ وہ سعید سے مل کر نہ صرف خوش ہوتی ہے بلکہ اپنا سامان اٹھا کر سعید کے کمرے میں منتقل کر دیتی ہے اور دونوں ایک ساتھ رہنا شروع کر دیتے ہیں۔ کئی دفعہ فاریا سعید کے قریب آنا چاہتی ہے، اسے پیار کرنا چاہتی ہے، اسے چھونا چاہتی ہے، اس کی خود سپردگی کی خواہش کے باوجود سعید تذبذب، تردد اور ہچکچاہٹ کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ سعید، فاریا کے ساتھ رہتے ہوئے کئی الجھنوں میں گھرا رہتا ہے۔ وہ فاریا کی خود سپردگی کے اصرار پر اسے کہتا ہے کہ اس نے جس ماحول میں پرورش پائی ہے وہاں اس طرح کے تعلق کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہاں آزادئ خیال اور آزادئ گفتار خلافِ ادب ہے۔ وہاں اپنی خواہشات دبانا ثواب تصور کیا جاتا ہے۔ جب کہ اس کے مقابلے میں فاریا کا ماحول آزادانہ ہے۔ سعید خلوت میں بھی سپر ایگو (Super Ego) کی گرفت میں رہتا ہے۔ آخر میں سعید خود اپنی ''تحلیل نفسی'' کرتے ہوئے کہتا ہے۔

> تم آزاد ماحول کی پیداوار ہو۔۔۔ تم اعلانیہ مجھے ڈارلنگ کہہ سکتی ہو لیکن تخلیہ میں بھی تمہیں ڈارلنگ کہتے ہوئے میری زبان رک جاتی ہے۔۔۔ تمہارے اعصاب آزاد ہیں لیکن میرے غلط ماحول کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ تم مکمل ہو لیکن مجھے میرے تمدن نے ادھورا چھوڑ دیا ہے ایسی جگہ پر ادھورا چھوڑا ہے کہ میری تکمیل میرے احساس نا تکمیلی سے بھی نہیں ہو سکتی۔[۱۰]

اس نفسیاتی تحلیل سے وہ اپنی نفسیاتی الجھن اور خود میں موجود کمی کا اعتراف کر کے اس سے چھٹکارا پا لیتا ہے۔ اس کے بعد اس میں وہ خود اعتمادی ابھرتی ہے جس کی اس کی شخصیت میں کمی تھی۔ سعید جو عورت کی قربت سے گھبراتا تھا اور کسی نہ کسی بے معنی عذر کی آڑ میں عورت کی قربت سے کتراتا رہتا ہے فاریا کی قربت میں یہ الجھن ختم ہو جاتی ہے۔

سعید کی شخصیت میں ایڈی پس کمپلیکس کے شواہد بھی ملتے ہیں۔ فرد کی شخصیت میں یہ کمپلیکس مثبت اور منفی دونوں صورتوں میں موجود ہو سکتا ہے۔ مثبت اس معنی میں کہ بچہ مخالف جنس میں دلچسپی لیتا ہے جبکہ ہم جنس والدین سے نفرت کرتا ہے۔ بقول فرائیڈ:

> جب ایک لڑکا دو یا تین سال کی عمر سے اپنے لبیڈو کی نشو نما کے ذکری دور (Phallic Phase) میں داخل ہوتا ہے وہ اپنے جنسی عضو میں خوشگوار احساسات پاتا ہے اور یہ احساس حاصل کرنے کے لیے اسے ارادتاً اپنے ہاتھ سے تحریک دینا سیکھ لیتا ہے تو وہ اپنی ماں کا عاشق بن جاتا ہے۔ وہ جسمانی طور پر اس پر اس طرح قابض ہونا چاہتا ہے جس طرح اس نے اپنے مشاہدات کو جنسی زندگی کے وجدانی اندازوں سے قیاس کیا ہے اور اسے اپنے عضو تناسل کی نمائش سے بہکانہ چاہتا ہے جس کی ملکیت پر اسے فخر ہوتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس کی قبل از وقت پیدا ہونے والی مردانگی اسے اس بات پر اکساتی ہے کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ وہ مقام پائے جو اس کے باپ کو حاصل ہے۔ باپ کی طاقت بچے کے لیے قابلِ رشک ہے۔ اس کا باپ اب ایک رقیب کے روپ میں سامنے آتا ہے جو اس کی راہ میں حائل ہے اور جسے وہ دھکیل کر دور کر دینا چاہتا ہے۔[۱۱]

سعید کی شخصیت میں مثبت کمپلیکس کے آثار ملتے ہیں۔ سعید کا جھکاؤ ماں کی طرف زیادہ ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان نے اس طرف اشارہ کیا ہے: ''سعید کی پرورش ماں کرتی ہے۔ ایک طرف وہ محبت کا متلاشی ہے تو دوسری طرف وہ ماں والی توجہ Mothering بھی مانگتا ہے۔''[۱۲] بچہ جہاں ماں سے محبت کرتا ہے وہیں اسے باپ سے نفرت ہوتی ہے۔ اگر بچپن میں یہ الجھن دور ہو جائے تو بچہ باپ کو دشمن سمجھنے کی بجائے اپنا آئیڈیل سمجھ کر اس جیسا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر یہ الجھن کسی وجہ سے تشنہ رہ جائے اور فطری جبلی تقاضوں کی تسکین کو راہ نہ ملے تو یہ الجھن تمام عمر قائم رہتی ہے۔ سعید اپنی معاشی حالت کو بیان کرتے ہوئے باپ کی موت کے بعد کے احساسات و جذبات جس طرح بیان کرتا ہے اس سے ایڈی پس کمپلیکس کا احساس ہوتا ہے۔

باپ کو قبر کے سپرد کر کے۔۔۔رات کو اکیلے اسے یہ محسوس کر کے بہت تعجب ہوا تھا کہ وہ بہت ہلکا ہو گیا ہے، جیسے اس کے وجود پر منوں وزن ہٹا دیا گیا ہو اس کا مطلب سمجھنے کی اس نے کوشش کی مگر ناکام رہا۔[۱۳]

مندرجہ بالا اقتباس سراسر لاشعوری خیالات کا آئینہ دار ہے۔ سعید باپ کے وجود کو بوجھ سمجھتا ہے۔ اس کا باپ کے وجود کو بوجھ سمجھنے کا راز بھی فرائیڈ کی وضع کردہ اصطلاح ''سپر ایگو'' میں پوشیدہ ہے۔ ''سپر ایگو'' چونکہ والدین کے مترادف ہے جس میں ان کی وضع کردہ اخلاقیات، خود ساختہ احکامات، ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ شامل ہوتی ہیں جو بچپن میں بچوں کی نفسیات پر نہ صرف گراں گزرتی ہیں بلکہ ان کی آنے والی زندگی کا بھی حصہ بن جاتی ہیں۔ جس لمحے سعید باپ کے وجود کو بوجھ سمجھ کر جس کو اس نے ''سپر ایگو'' کی صورت میں اپنے اوپر لادا ہوا تھا اتار پھینکنے کی سوچتا ہے، ٹھیک اسی وقت اس کا شعور اس وقت تھوڑی سی مزاحمت کرتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ آخر وہ اس کا باپ ہے۔ لیکن سعید اسے سمجھنے میں ناکام رہتا ہے چونکہ یہ ایک لاشعوری عمل ہے اور اس سے بھی بڑھ کر وہ اسے سمجھنا ہی نہیں چاہتا۔

الغرض منٹو کا یہ ناول جسے نقادوں اور محققین نے کچھ زیادہ توجہ نہیں دی۔ اگر کہیں ذکر آیا بھی ہے تو محض سرسری سا آیا ہے حالانکہ اس ناول میں وہ تمام تر خوبیاں اور لوازمات موجود ہیں جو کسی جدید ناول کا خاصا ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ فرائیڈ کے نظریہ ''تحلیلِ نفسی'' کے اصول و معیارات پر بھی پورا اترتا ہے۔ اردو ناول کی تاریخ میں ''تحلیل نفسی'' کے زیر اثر لکھے جانے والے ناولوں میں یہ ناول کئی حوالوں سے بہتر ہے۔ منٹو نے جس طرح ایک کردار کو لے کر اس کی ''تحلیلِ نفسی'' کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۹۴، ص ۱۵۷۹

2. Sigmund Freud, beyond the pleasure principle, a general selection from the work of Sigmund Freud, edited by, john Rickman Hogarth press,1953, p 17

۳۔ سگمنڈ فرائیڈ، تحلیل نفسی کا اجمالی خاکہ، مترجم، پروفیسر ظفر احمد صدیقی، ترقی اردو بیورو، دہلی، 1985ء، ص ۴۰

۴۔ جگدیش چندر ودھاون، منٹو نامہ، مکرجی نگر ایسٹ، دہلی، ۱۹۷۹ء، ص ۵۰۷

۵۔ سعادت حسن منٹو، بغیر عنوان کے، مکتبہ جدید، لاہور، س ن، ص ۴۱

۶۔ یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، نیشنل بک ڈپو، حیدر آباد، ۱۹۷۳ء، ص ۴۱۳

۷۔ سعادت حسن منٹو، بغیر عنوان کے، ص ۶۷

۸۔ یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، ص ۴۱۸

۹۔ جگدیش چندر ودھاون، منٹو نامہ، ص ۵۰۶

۱۰۔ سعادت حسن منٹو، بغیر عنوان کے، ص ۱۴۰

۱۱۔ سگمنڈ فرائیڈ، تحلیل نفسی کا اجمالی خاکہ، مترجم، پروفیسر ظفر احمد صدیقی، ص ۶۲۔۶۳

۱۲۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے چند اہم زاویے، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص ۱۲۹

۱۳۔ سعادت حسن منٹو، بغیر عنوان کے، ص ۱۲۹